اسلامی فقہ میں حدود کی سزاؤں کا نظریہ: روایتی قانونی مکاتب فکر کا تقابلی جائزہ

The Doctrine of Hudud Punishments in Islamic Jurisprudence: A Comparative Review of Traditional Legal Schools of Thought

Dr. Hafiz Muhammad Saleem
Assistant Professor, Mohiuddin Islamic University, Nirian Sharif, Azad Jammu and Kashmir.
Email: hmbilal1204@gmail.com

Halima Sadia
MPhil Scholar (Islamic Sciences) Gift University, Gujranwala.
Email: lawinvestigator@gmail.com

Subia Ikram
MPhil Scholar (Islamic Sciences) Mohiuddin Islamic University, Nirian Sharif, Azad Jammu and Kashmir.
Email: dlaw@cii.gov.pk

ABSTRACT:

Justice is the primary need for the security and stability of society. Islam ensures the protection of individual and communal justice. Punishment refers to protecting society by reducing the occurrence of crime and injustice. To combat crime, Islamic law has a doctrine of punishment based on divine revelation. The major five traditional schools of thought contributed to the interpretation of the doctrine of hudud. This research will describe the terminological and technical understanding of hudud. It will review their reasoning and types from the legal perspective of traditional legal schools. This paper will explore the comprehension and jurisprudence of hudud. It will disclose the opinions of traditional Muslim schools on the implementation of the doctrine of hudud. This work will introduce thematic zones for researchers and scholars. It will make recommendations for implementing the doctrine of hudud in modern society in order to distribute justice. This research will reduce the misconceptions and misunderstandings of the doctrine of punishment in Islamic penal law.

Keywords:

Doctrine of Hudud, Islamic Law, Traditional Schools of Thought, Justice, Society.

تعارف

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس کا مطمع نظر انفرادی سے زیادہ اجتماعی اور معاشرتی زندگی پر ہے۔ اسلام سب سے پہلے اپنے نظام تعلیم و تربیت اور عادلانہ نظام حکومت کے ذریعے جرائم کے محرکات کو ختم کر دیتا ہے اور معاشرے کو جرائم سے پاک بناتا ہے پھر بھی انسان کوئی غلط قدم اٹھاتا ہے تو اسلام، قانون کی ہر قسم کی خلاف ورزی کو جرم نہیں سمجھتا بلکہ اسلام کے نزدیک ہر وہ شعوری و اختیاری فعل یا ترک فعل جرم ہے جو فرد یا معاشرے کو شاہراہ تکامل پر گامزن رہنے سے روکے یا اس میں کجی و انحراف کا باعث بنے یا فرد اور معاشرے کو کوئی اور نقصان پہنچائے۔ ایسے

کاموں یا ترک فعل پر شریعت کی رو سے اللہ تعالی نے سزائیں مقرر کی ہیں۔انہی سزاؤں میں سے ایک حدود ہے۔زیر نظر مقالے میں اسلام کے نظام حدود کا ایک ایسا جائزہ پیش کیا جارہا ہے جس میں اسلامی فقہ کے پانچ بڑے مسالک کے معتبر علماء کی آراء اوران کی مستند کتب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔اس ضمن میں حدود کے لغوی واصطلاحی معنی، حدود کی اقسام،اس کی شرائط اور اس سے متعلق دیگر احکامات کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک اجتماعی اور متفقہ نقطہ نظر کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

مذاہب خمسہ

زیر نظر مقالے میں مذاہب خمسہ سے مراد پانچ بڑے فقہی مکاتب فکر ہیں یعنی فقہ حنفی، فقہ جعفری، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی۔ کوشش کی گئی ہے کہ ہر مکتب فکر کی امہات الکتب سے آراءاخذ کر کے بحث میں پیش کیا ہے۔

مذہب کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

لغت میں لفظ مذہب کا مادہ "ذ۔ہ۔ب" ہے جس کے معنی جانے کے ہیں،اسی سے مذہب بنا ہے جو یا مصدر میمی ہے یا اسم زمان ہے یا اسم مکان۔عربی لغات میں مذہب کے کئی معانی ذکر ہوئے ہیں۔ان میں سے چند معانی درج ذیل ہیں:

"مذہب" طریق، چلنے کا راستہ جیسے وضاقت عليه مذاهبه أي طرقه یعنی اس پر راستے تنگ ہو گئے۔ المذهب لغة مكان الذهاب وهو الطريق۔[1]

روش اور طریقہ کو بھی مذہب کہا جاتا ہے جیسے عربی میں کہا جاتا ہے "فلان حسن المذهب وقبيح المذهب" یعنی فلاں کا طریقہ اچھا ہے فلاں کا برا ہے ہلکی پھلکی بارش کو بھی مذہب کہا جاتا ہے۔[2]

ابن منظور افریقی اس لفظ کے ذیل میں لکھتا ہے:

ذهب: الذهاب، السير والمرور ذهب يذهب ذهابا، والمذهب مصدر كالذهاب والمذهب: المعتقد الذي يذهب إليه.[3]

معجم الوسیط میں مذہب کی اصطلاحی تعریف کچھ اسی سے ملتی جلتی کی ہے:

المذهب الطريقة المعتقد الذي يذهب إليه ... وعند العلماء مجموعة من الآراء والنظريات العلمية والفلسفة ارتبط بعضها ببعض ارتباطا يجعلها وحدة منسقة.[4]

(مذہب سے مراد طریقہ یا ایسا اعتقاد جس کی طرف بندہ جاتا ہے اور علماء کے نزدیک ایسی علمی اور فلسفی آراء و نظریات جو ایک دوسرے سے مربوط ہو کر ایک وحدت کی شکل اختیار کر لینے کو مذہب کہا جاتا ہے)۔

فقہی اصطلاح میں مذہب سے ایسے احکام مراد ہیں جو مختلف مسائل پر مشتمل ہو۔اس کی لغوی اور اصطلاحی تعریف میں جو مماثلت اور اشتراک ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح راستہ منزل تک پہنچاتا ہے اسی طرح یہ احکام (مذہب) معاد اور آخرت کی

کامیابی سے ہم کنار کرتا ہے۔[5] اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ کسی فقیہ کے افکار و نظریات کے مجموعہ کو فقہ کی اصطلاح میں مذہب کہا جاتا ہے۔ مذاہب کے ظہور کی ابتداء عصر صحابہ میں ہی ہو چکی تھی، مثلاً اس وقت یہ اصطلاحات رائج تھیں کہ مذہب عائشہؓ، مذہب عبداللہ ابن عمرؓ، مذہب عبداللہ ابن مسعودؓ وغیرہ۔ ان صحابہ کی فقہی آراء کو مذہب اور اس کی جمع کو مذاہب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ عرف عام میں مذہب دین یا کسی خاص قسم کے عقائد اور فلسفۂ حیات کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً مذہب اسلام، مذہب یہود، مذہب عیسائیت لیکن فقہ اور فقہا کی اصطلاح میں مذہب کسی عقائد و عبادات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ مذہب کسی مجتہد یا امام کی فقہی آراء کا نام ہے۔ اس لیے یہ غلط فہمی نہ ہو بلکہ ہر ایک جگہ الگ الگ اصطلاحات کو مورد نظر رکھ کر دیکھا جانا چاہیے تاکہ الجھن نہ ہو۔ اس کی کچھ مزید مثالیں درج کی جاتی ہیں تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے اور کوئی اشتباہ نہ رہے۔ مقالے میں یہ اصطلاح بار بار استعمال ہو گی۔

جواد بلاغی لکھتے ہیں:

وقد حكي عن مقالات الشيخ مفيد ان عدم هذا النسخ مذهب الشيعة وجماعة من أهل الحديث.[6]

(شیخ مفید کے اقوال کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ یہ (قرآن مجید کا نسخ نہ ہونا) شیعہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت کی رائے/ نظریہ ہے)۔

اسی طرح کتاب "آیات الأحکام" میں مذکور ہے:

هذا مذهب الفراء.[7]

(یعنی یہ فراء کا نظریہ ہے)۔

اسی طرح الجصاص کی بھی عبارت ملاحظہ ہو، جو انہوں نے عورت کے حیض کے مسائل سے بحث کرتے ہوئے مختلف اقوال کا حوالہ دیتے ہوئے لکھی ہے:

ومنهم من لا يجوز وطئها إلا بعد الاغتسال في أقل الحيض وأكثره وهو مذهب الشافعي.[8]

(کچھ فقہا خون حیض بند ہو جانے کے بعد غسل سے پہلے ہمبستری کو جائز نہیں سمجھتے۔ چاہیے حیض کم آئے یا زیادہ اور یہی امام شافعی کی رائے ہے)۔

پس یہاں پر بھی لفظ مذہب فقہی رائے کے لیے استعمال ہوا ہے، دین یا شریعت کے لیے نہیں۔

حدود کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

یہ ''ح۔د۔د'' کے مادہ سے ہے اور ''الحد'' کی جمع ہے۔ لغت میں ''الحد'' سے مراد دو چیزوں کے درمیان موجود وہ رکاوٹ/فاصلہ ہے جو ایک دوسرے کو آپس میں ملنے نہ دے یا ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے روک دے۔ کسی چیز کی انتہاء

کو بھی ''حد'' کہا جاتا ہے۔ جیسے ''حد الأرضين'' یا ''حدود الحرم''۔ایک چیز کو دوسری چیز سے الگ کر کے ممتاز کرنے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔[9]

لغت نگاروں نے لغوی معنی کے ساتھ ساتھ اس کے شرعی معنی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ابن منظور کے بقول:

''وحد السارق وغيره ما يمنعه عن المعاودة ويمنع أيضاً غيره عن إتيان الجنايات، وجمعه حدود''.[10]

(چور کی حد وغیرہ کا اطلاق ایسی سزا پر ہوتا ہے جس کے سبب مجرم دوبارہ اس جرم کا ارتکاب کرنے سے باز رہتا ہے اور دوسروں کے لیے عبرت کا ایک ذریعہ ہے جسے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی ان جرائم سے باز رہتے ہیں)۔

فقہائے حدود کی تعریف مختلف تعبیروں میں کی ہے۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

الآبی الازھری کے بقول:

''ماوضع لمنع الجاني من عوده لمثل فعله وزجر غيره''.[11]

(یعنی ایسی سزائیں جو مجرم کو دوبارہ اس جرم کے ارتکاب سے باز رکھیں اور دوسروں کو اس سزا کے ذریعے درس عبرت دیں)۔

ابن نجیم لکھتے ہیں:

''الحد في اللغة المنع ومنه سمي البواب حداداً لمنعه الناس عن الدخول، والسجّان حدّادا، لمنعه عن الخروج، وحدود الديار: نهاياتها لمنعها عن دخول ملك الغير فيها وخروج بعضها إليه... الحد عقوبة مقدره لله تعالى''.[12]

(لغت میں ''حد'' رکاوٹ کو کہا جاتا ہے اسی لیے دروازوں کے نگہبان کو حداد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ (غیر متعلقہ) لوگوں کو داخل ہونے سے منع کرتا ہے اسی طرح زندان کے داروغہ کو بھی حداد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ لوگوں (زندانیوں) کو جیل سے نکلنے نہیں دیتا۔کسی بستی کی حدود اس کی انتہا ہے۔اس کو حدود اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ حد غیر کی ملکیت کو اپنی حدود کے اندر داخل ہونے نہیں دیتی اور دوسروں کی ملکیت کو اپنے دائرے سے خارج کرتی ہے۔جبکہ شرعی اصطلاح میں حدود سے مراد ایسی سزائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھی ہیں)۔

مذکورہ بالا تعریفوں سے درج ذیل اہم نکات یہ سامنے آتے ہیں:

۱۔ حدود کا فلسفہ معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنا ہے۔

۲۔ حدود جس طرح مجرم کے لیے عبرت کا سبب ہیں اسی طرح دوسرے لوگوں کے لیے بھی عبرت کی ایک داستان ہیں۔اسی لیے ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾[13]

(اوران کی سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت موجود رہے)۔

۳۔ شریعت میں کسی کی عزت پر حملہ کرنا بھی سخت مذموم اور قبیح فعل ہے اس لیے حدود میں ایک حد حدِ قذف تہمت کی حد) بھی ہے۔

۴۔ حدود میں سزا کا تعین اللہ کی جانب سے ہوتا ہے۔(مقدرة من الله تعالى)

۵۔ ایسی سزائیں جن کی مقدار خدا کی طرف سے معین نہ ہو توان کو "حدود" نہیں بلکہ "تعزیر" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ حاکم اسلامی یا قاضی کے صوابدیدی اختیارات میں شامل ہے۔

مذکورہ بالا تعریفوں سے حدود کی لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی وضاحت ہوگئی۔ ذیل میں حدود کی ان اقسام کا جائزہ پیش کیا جائے گا جو مذاہب خمسہ کے نزدیک متفقہ ہیں۔

حدود کی اقسام

ایسی حدود جو فقہا کے نزدیک متفقہ ہیں درج ذیل ہیں:

۱۔ زنا کی حد

۲۔ حد سرقہ (چوری کی حد)

۳۔ حد قذف (تہمت کی حد)

۴۔ شراب نوشی کی حد

۵۔ حرابہ (ڈاکو اور دہشتگرد) کی حد

۶۔ ارتداد کی حد

اب اختصار کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کی شرائط اور سزاؤں کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

زنا کی حد

اسلام جس طرح انسانی جانوں کے احترام کا قائل ہے اسی طرح اسلام کی نظر میں عزت وآبرو کی بھی بڑی اہمیت ہے خصوصاً ناموس کے مسئلے میں اسلامی احکام صد لائق تحسین ہیں اسی سلسلے کی کڑی زنا کی حد اور تہمت کی حد ہے۔ تاکہ کوئی کسی کی ناموس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ کر سکے اور کسی بے گناہ عورت پر زنا جیسی قبیح معصیت کی تہمت نہ لگائی جا سکے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلا تَقْرَبُوا الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلاً﴾[14]

(اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یقیناً یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت برا راستہ ہے)۔

زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بہت سارے مسائل کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدمات سے بھی منع فرمایا۔ مثلاً احادیث کی روشنی میں حرام نظر زنا کا پیش خیمہ ہے اس لیے ارشاد ربانی ہے:

(اور مومنہ عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کو بچائے رکھیں)۔[15]

اس قبیح فعل کی وجہ سے جہاں انسانی شرافت سبوتاژ ہوتی ہے وہاں معاشرہ بھی اس شر کی زد میں آجاتا ہے۔ خاندان اور ازدواجی زندگی کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ ایک غیر شرعی و غیر قانونی بچہ ایک فاسد عضو کی طرح معاشرے کا حصہ بنتا ہے سرپرستی اور اچھی تربیت نہ پانے کی وجہ سے بعد میں اکثر جرائم پیشہ افراد کا آلہ کار بن کر معاشرتی امن وامان میں رخنہ ڈالتا ہے انہی مفاسد کی روسے قرآنی آیات میں صراحت کے ساتھ اس فعل سے منع کیا ہے روایات میں ذکر ہے:

"إياكم والزنى فإن فيه ست خصال، ثلاث في الدنيا وثلاث في الآخرة، فأما التي في الدنيا فذهاب البهاء ودوام الفقر، قصر العمر، وأما في الآخرة، فسخط الله تعالى وسوء الحساب والخلود في النار".[16]

(خبردار زنا سے بچتے رہنا کیونکہ اس میں چھے خاصیتیں ہیں: جن میں سے تین دنیا سے اور تین آخرت سے متعلق ہیں۔ وہ خاصیتیں جو دنیا سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں: ۱۔ عزت ختم ہو جاتی ہے ۲۔ ہمیشہ کی فقر و تنگدستی دامن گیر رہتی ہے ۳۔ انسان کی عمر گھٹ جاتی ہے۔ ایسی خاصیتیں جو آخرت سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں: ۱۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ۲۔ حساب و کتاب میں سختی ۳۔ ہمیشہ کے لیے جہنم کا عذاب)۔

فقہاء نے زنا کا مفہوم ان الفاظ میں واضح کیا ہے: شہید ثانی لکھتے ہیں:

(الأول في) حد (الزنا)، بالقصر لغة حجازية، وبالمد تميمية، (هو) أي الزنا (ايلاج) أي إدخال الذكر البالغ العاقل في فرج إمراة، بل مطلق أنثى قبلا أو دبراً (محرمة) عليه (من غير عقد) نكاح بينها (ولا ملك) من الفاعل للمقابل (ولا شبهة) موجبة لاعتقاد الحل (قدر الحشفه) ... (عالماً) بالتحريم (مختاراً) في الفعل.[17]

(پہلی فصل زنا کی حد کے بارے میں ہے جسے حجازی لہجے میں بغیر مد کے جبکہ تمیمی لہجے میں مد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ زنا سے مراد کسی عورت کی شرمگاہ میں (آگے یا پیچھے) مرد کے آلہ تناسل کو حشفہ کی مقدار میں حرام طریقے سے داخل کرنا بغیر کسی عقد نکاح یا ملکیت یا شبہہ کے جو اس کے حلال ہونے کے اعتقاد کا موجب بنے۔ نیز وہ مرد بالغ، عاقل، مختار اور حرمت سے آگاہ ہو)۔

متذکرہ بالا شرائط میں سے کسی ایک شرط کا فقدان بھی حدِ زنا کے ساقط ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ مثلاً کوئی انسان رات کے اندھیرے میں شبہہ کی وجہ سے کسی عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر مجامعت کرے تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ اس طرح اگر اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا جائے تب بھی حد جاری نہیں ہوگی۔ ابن نجیم زنا کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

هو وطيء مكلف طايع مشتهاة حالا أو ماضيا في القبل بلا شبهة ملك في دار السلام أو تمكينه من ذلك أو تمكينها ليصدق على مال وكان مستلقيا فقعدت على ذكره حتى أدخلت فانهما يحدان على هذه الصورة.[18]

(مکلف کی ایسی مجامعت جو وہ اپنے اختیار کے ساتھ اسلامی مملکت میں کسی عورت کی شرمگاہ میں کرے یا مجامعت کے لیے اپنے آپ کو اس طرح پیش کرے کہ اگر وہ پیٹھ کے بل لیٹا ہوا ہو اور کوئی عورت اس کے آلہ تناسل پر اس طرح بیٹھے کہ آلہ تناسل اس کی شرم گاہ میں داخل ہو جائے۔ مذکورہ صورت میں ان دونوں پر حد جاری ہو گی)۔

اس تعریف میں صرف "قبل" (اگلے حصے) کا ذکر ہے جس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ اگر دبر (پچھلے حصے) میں وطی کرے تو اس پر حد جاری نہیں ہو گی۔

اس سے ملتی جلتی تعریف الحصکی نے کی ہے وہاں پر یہ صراحت ہوئی ہے کہ دبر میں وطی پر زنا کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو:

(والزنا) الموجب للحد (وطء) وهو إدخال قدر حشفة من ذكر (مكلف) خرج الصبي والمعتوه (ناطق) خرج وطء الأخرس فلا حد عليه مطلقاً للشبهة وأما الأعمى فيحد للزنا بالاقرار لا بالبرهان ... (طائع في قبل مشتهاة) حالا أو ماضيا، خرج المكره والدبر ونحو الصغيرة.[19]

(وہ زنا جو حد کا موجب ہے عورت کی شرمگاہ میں ایسی مجامعت جس میں مکلف مرد کے آلہ تناسل کے حشفہ کی مقدار داخل ہو جائے اور وہ بول بھی سکتا ہو۔ پس ان شرائط کی رو سے بچے، نیم پاگل اور گونگے پر زنا کی حد جاری نہیں ہو گی۔ اسی طرح اندھے پر اس کے اپنے اقرار کے ذریعے تو حد جاری ہو سکتی ہے مگر گواہوں کے ذریعے نہیں۔ اختیار بھی شرط ہے۔ لہذا اگر کوئی عورت کے دبر میں یا کسی نابالغ بچی کے ساتھ زنا کرے تو اس پر زنا کی حد جاری نہیں ہو گی (اگرچہ عین ممکن ہے کہ اسے اس جرم کی سزا حد زنا سے زیادہ ملے)۔

مذکورہ تعریف کی رو سے بچے، غیر عاقل، گونگے اور دبر میں وطی کرنے والے پر حد جاری نہیں ہو گی۔ ذیل میں زنا کی حد کے بارے میں مذاہب خمسہ کے فقہاء کی متفقہ آراء کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

حدِ زنا کی قسمیں

درج ذیل قسموں پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے:

۱۔ رجم (سنگساری)

۲۔ جلد (کوڑوں/دروں کی سزا)

اسلامی فقہ میں زنا کرنے والے کی ازدواجی حیثیت کا بڑا عمل دخل ہے۔ اگر زانی شادی شدہ ہے تو اس کو تب تک سنگسار کیا جائے گا جب تک وہ مر تا نہیں۔ جس کا فلسفہ یہ ہے کہ اسے ازدواجی زندگی کا ادراک ہے۔ اپنی شہوانی خواہش کی تسکین کے لیے

بیوی موجود ہے۔ دوسروں کی ناموس کی عزت وآبرو کا بھی ادراک ہے لیکن ان تمام باتوں سے آگاہی اور آشنائی کے بعد بھی اگر وہ زنا جیسے قبیح فعل کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ صرف اس کی پروردگار جبار کے ساتھ مخالفت اور اس کی حکم عدولی وشیطان کی پیروی کی بناپر ہے۔ لہٰذا ایسے زناکار کی سزا بھی (capital punishment) عبرتناک سزا (سنگساری) ہوگی۔ ایسی حالت کو فقہاء اپنی اصطلاح میں ''احصان'' کہتے ہیں۔ اگر زناکار شادی شدہ نہیں ہے تو شادی شدہ فرد کی نسبت اس کے جرم کی نوعیت تھوڑی سی ہلکی ہے۔ اسی لیے اس کی سزا میں بھی تخفیف ہے یعنی اس کو سنگسار کرنے کی بجائے سو(۱۰۰) درے مارے جائیں گے۔

رجم کی دلیل

رجم کی دلیل حضرت عمرؓ سے مروی یہ روایت ہے:

۱۔ ''الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموها البتته نكالا من الله''.[20]

(جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو انہیں ہمیشہ سنگسار کرو یہ خدا کی طرف سے ان کے عمل کی سزا ہے)۔

۲۔ اسی طرح حضور ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ:

''لا يحل دم إمرئ مسلم إلا بأحدى ثلاث: الثيب الزاني، والنفس بالنفس، والتارك لدينه المفارق للجماعة''.[21]

(کسی مسلمان کا خون صرف تین صورتوں میں بہانا جائز ہے۔ ۱: شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے، ۲: کسی کا قتل کردے تو قصاص میں اسے بھی مارا جائے گا، ۳: کوئی اپنا دین چھوڑ کر اپنی جماعت (یعنی اسلام اور مسلمانوں) سے جدا ہو جائے تو اس کو بھی سزائے موت دی جائے گی)۔

۳۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''ان الرجم حق في كتاب الله على من زنى إذا أحصن من الرجال والنساء إذا أقامت البينة، أو كان الحمل أو الاعتراف''.[22]

(رجم (سنگسار کرنا) اللہ کی کتاب میں ایسے زناکار مردوں اور عورتوں کی سزا ہے جو گواہوں سے ثابت ہو یا (عورت) حاملہ ہو یا وہ (دونوں) اقرار کریں)۔

۴۔ اس ضمن میں طوسی اور ابن منذر نے اجماع کا ذکر کیا ہے۔[23]

متذکرہ بالا تینوں احادیث سے رجم کی سزا ثابت ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کی عملی سیرت سے بھی رجم کی سزا ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ماعز بن مالک کو سنگسار کروایا تھا۔ نیز ائمہ وفقہاء کا رجم کی سزا پر اجماع ہے۔

سنگسار کرنے کی شرائط

ایسی شرائط جن پر مذاہب خمسہ کے فقہاء متفق ہیں درج ذیل ہیں:

۱۔ زنا کا ثبوت:

زنا ثابت ہوئے بغیر کسی کو سنگسار نہیں کیا جا سکتا۔ زنا ثابت ہونے کے متفقہ طریقے دو ہیں:

الف) چار (۴) عادل گواہ اس طرح گواہی دیں اس طرح کہ سبھی کے مطابق زنا کا وقت، جگہ اور کیفیت میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

ب) زناکار خود چار مرتبہ مختلف (عدالت کی محفل) میں اقرار کرے۔

۲۔ احصان:

احصان سے فقہاء کی مراد شادی ہے۔ یہ لفظ ''حصن یحصن'' کا مصدر ہے جس کا مطلب ''قلعہ بلد ہونا'' ہے۔ شادی پاکیزگی اور عفت کی حفاظت کا ایک قلعہ ہے۔ اسی لیے فقہی اصطلاح میں شادی شدہ مرد کو ''محصن'' جبکہ شادی شدہ عورت کو ''محصنة'' کہا جاتا ہے۔

السمر قندی لکھتے ہیں:

''واحصان الرجل أن يكون حرا عاقلا بالغاً مسلماً قد تزوج امرأة تكاحاً صحيحاً ودخل بها، وهما على صفة الاحصان''.[24]

(کسی شخص کی احصان سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمان، بالغ، عاقل اور آزاد ہو اور کسی آزاد عورت سے صحیح نکاح کر کے شادی شدہ کہلاتا ہو اور مجامعت بھی کی ہو تو ان دونوں کو صاحبان احصان سمجھا جائے گا۔ (یعنی ایسی عورت یا ایسا مرد زنا کرے تو ان کو سنگسار کیا جائے گا))۔

۳۔ مسلمان ہو۔

۴۔ بالغ ہو۔

۵۔ عاقل ہو۔

۶۔ آزاد ہو۔

۷۔ بعض فقہاء نے اس میں ''یغدو ویروح'' کی قید کا بھی ذکر کیا ہے۔ یعنی صبح شام اپنی بیوی سے مباشرت کر سکتا ہو البتہ یہ سب کا اجماعی فتویٰ نہیں ہے۔

۸۔ آلہ تناسل کا حشفہ یا اس سے زائد مقدار عورت کے فرج (شرم گاہ) میں داخل ہو جائے۔

۹۔ کسی شبہہ کی بنا پر مجامعت نہ کی ہو۔

متذکرہ بالا شرائط پوری ہوں تو اس کو سنگسار کیا جائے گا اور اس پر مارے جانے والے پتھر نہ زیادہ چھوٹے ہوں نہ زیادہ بڑے بلکہ درمیانے پتھروں سے مرنے تک سنگسار کیا جائے گا۔امامیہ کے نزدیک مرد اور عورت کو سنگسار کرتے وقت انہیں زمین کھود کر کمر تک گاڑھے جائیں گے جبکہ مذاہب اربعہ کے نزدیک عورت کو زمین کھود کر کمر تک گاڑھ دیا جاسکتا ہے۔مرد کے لیے ایسا کرنا ضروری نہیں ہے۔[25]

کوڑوں کی سزا

غیر شادی شدہ زناکار مرد اور عورت پر کوڑوں کی حد جاری کر دی جائے گی۔یہاں بھی ثبوت کا طریقہ وہی ہے جو محصن زناکار کے لیے تھا اور شرائط بھی وہی ہیں۔یہاں ایک نکتے کی وضاحت ضروری ہے۔فقہاء نے زنا کی شہادت کے لیے بہت سخت شرائط کا ذکر کیا ہے جس میں سے ایک شرط فعل (زنا) کی کیفیت ہے۔پس اگر گواہ اس طرح گواہی دیں کہ ہم نے فلاں مرد کو فلاں عورت کے اوپر سوار دیکھا اور دونوں کے کپڑے بھی اترے ہوئے تھے تو بھی فقہاء اس گواہی کو قبول نہیں کرتے بلکہ فتویٰ دیتے ہیں کہ ان چاروں پر قذف کی حد جاری کر کے زناکار کو بری کیا جائے گا۔ان کی اصطلاح میں کالمیل في المكحلة کی گواہی ہونی چاہیے۔یعنی جس طرح سرمہ دانی میں سرے کی سوئی داخل ہوتی ہے اسی طرح مرد کا آلہ تناسل عورت کی شرمگاہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھنے کی گواہی دی جانی چاہیے اور چاروں گواہوں کا عادل ہونا بھی شرط ہے۔لہذا اس طریقے سے زنا کا اثبات تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔[26]

کوڑوں کی سزا دیتے ہوئے کوڑے نہ اتنے زور سے مارے جائیں کہ سو کوڑے کھاتے کھاتے وہ شخص دم توڑ دے اور نہ اتنے آہستہ مارے جائیں کہ اس کی تادیب ہی نہ ہو بلکہ متوسط کوڑے مارے جائیں۔کوڑے مارتے ہوئے اس کی شرمگاہ اور چہرے پر کوڑے نہیں مارے جائیں گے۔حضور ﷺ کی حدیث کے الفاظ ہیں:

''إذا جلد أحدكم فليتق الوجه والفرج، وعن علي عليه السلام أنه قال للجلاد، إضرب وارجع واتق الرأس والفرج''.[27]

(جب تم میں سے کوئی کوڑے مارے تو چہرے اور شرمگاہ کو بچالیں، علیؑ نے جلاد سے فرمایا: اسے (مجرم کو) مارو اور اذیت دو اور سر اور شرمگاہ کو بچالو)۔

السرخسی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''(وحجتنا) في ذلك حديث عمر رضي الله عنه فانه قال للجلاد إياك أن تضرب الرأس والفرج ولأن الرأس موضع الحواس ففي الحواس ففي الضرب عليه تفويت بعض الحواس''.[28]

(سر اور شرمگاہوں پر کوڑے نہ مارے جانے کی ہماری دلیل حضرت عمرؓ سے مروی یہ روایت ہے جس میں انہوں نے جلاد سے فرمایا خبردار اس کے سر اور شرمگاہوں پر نہ مارنا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ چونکہ سر تمام حواس کا مرکز ہے لہذا اس پر کوڑے مارنے سے بعض حواس کے مختل ہونے کا خطرہ ہے (جیسے بینائی اور شامہ وغیرہ))۔

حد ذزنا میں درج ذیل نکات متفقہ ہیں:

۱۔ متذکرہ بالا شروط کی کمی سے حدِ زنا ساقط ہو جاتی ہے۔ البتہ حاکم شرع اپنے صوابدیدی اختیارات کے تحت اس کو سزا دے گا جس کو فقہاء اپنی اصطلاح میں ''تعزیر'' کہتے ہیں۔ مثلا! اگر کوئی نابالغ بچہ یا مجنون مرد یا عورت زنا کا مرتکب ہو تو اس کی تعزیر ہو گی۔

۲۔ اگر عورت زنا کی وجہ سے حاملہ ہوئی ہو تو اس پر حد رجم اس وقت تک جاری نہیں کی جائے گی جب تک بچہ پیدا ہو کر دودھ نہ چھڑا دیں۔ اسی طرح کوڑے کی سزا اس وقت تک مؤخر کی جائے گی جب تک وہ بچہ نہ جنے اور نفاس سے پاک ہو۔ اسی طرح کوئی زانی مرد پر کوڑے کی سزا مقرر ہو لیکن وہ بیمار ہو تو اس کے ٹھیک ہونے تک سزا مؤخر کر دی جائے گی لیکن اگر اس کو سنگسار کرنے کی سزا ہوئی ہو تو بیماری کی حالت میں اس پر حد جاری ہو گی۔[29]

۳۔ محارم:

(مثلاً ماں بہن بیٹی وغیرہ) کے ساتھ زنا کرنے والے کی حد یہ ہے کہ تلوار سے اس کی گردن اڑائی جائے۔

۴۔ غلام اور کنیز پر کوڑوں کی سزا آزاد مرد اور عورت کے نصف کوڑوں (یعنی پچاس) کے برابر ہو گی۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

(پھر جب نکاح میں آنے کے بعد بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان کے لیے اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کے لیے مقرر ہے)۔[30]

لہٰذا آزاد عورتوں پر سو کوڑے اور کنیز پر پچاس کوڑے مارے جائیں گے۔ اسی طرح چونکہ رجم میں آدھی جان سنگسار کے ذریعے ختم نہیں کی جاسکتی اس لیے کنیزوں کے لیے رجم کی سزا نہیں ہے اور تمام فقہاء کے نزدیک غلاموں کا حکم بھی یہی ہے۔

چوری کی حد

اسلام جس طرح انسانی جانوں کی حرمت کا قائل ہے اسی طرح ان کے اموال کو بھی محترم سمجھتا ہے۔ جو اس احترام کو سبوتاژ کرنا چاہیے اس کے لیے سخت سزا مقرر ہے۔ چوری کی سزا بھی اسی اصول کی ایک کڑی ہے۔ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرمایا:

''إن دمائكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم هذا''.[31]

(تمہارا خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزت سب تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ دن (عید الاضحیٰ) یہ سرزمین (مکہ مکرمہ) اور یہ مہینہ (ذی الحجہ جو حرمت کے مہینوں میں سے ایک مہینہ جس میں اسلام نے جنگ وغیرہ سے منع کیا ہے))۔

متذکرہ بالا حدیث میں اس بات کی وضاحت ہوئی ہے کہ جس طرح انسان کی جان محترم ہے بالکل اسی طرح اس کا مال بھی محترم ہے۔اسی احترام اور تقدس کو برقرار رکھنے کے لیے اسلام نے چوری پر کرنے والے کی یہ سزا مقرر کی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ قرآنی آیت ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ﴾[32]

(چوری کرنے والا مرد یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو اللہ کی طرف سے یہ ان کے کرتوت کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب آنے والا اور حکمت والا ہے)۔

یہ آیت چوری کی سزا پر ایک صریح نص ہے۔ذیل کی سطور میں سرقت کی تعریف اور ہاتھ کاٹنے کی حد اور شرائط پر مذاہب خمسہ کے فقہاء کی آراء میں مشترکہ امور کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

سرقہ (چوری) کے لغوی اور اصطلاحی معنی

لغت میں لفظ سرقہ سرگوشی، مخفی طور پر کسی چیز کو لے لینا[33] ریشم کی بہترین قسم[34] وغیرہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں سرقہ سے مراد کسی مخصوص جگہ پر حفاظت سے رکھی ہوئی چیز کو مخفیانہ طور پر اٹھانے کو کہا جاتا ہے۔اس ضمن میں ابن نجیم لکھتے ہیں:

''وهي في اللغة أخذ الشيء في خفاء وحيلة ... وأما في الشريعة فلها تعريفان، تعريف باعتبار الحرمة وتعريف باعتبار ترتب حكم شرعي وهو القطع، أما الأول فهو أخذ الشيء من الغير على وجه الخفية بغير حق سواء كان نصاباً أولا، وأما الثاني فهو كما ذكره المصنف بقوله (هو أخذ مكلف خفية قدر عشرة دراهم مضروبة محرزة بمكان أو حافظ''.[35]

(لغت میں سرقہ کسی چیز کو کسی حیلے یا خفیہ طور پر اٹھا لینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ شرعی اصطلاح میں اس کی دو تعریفیں کی گئی ہیں۔ ا: یہاں تعریف باعتبار حرمت ہے، ۲: دوسری تعریف سرقہ کے حکم کے حوالے سے ہے۔ پہلی تعریف یہ ہے کہ کسی کا مال ناحق اور خفیہ طور پر اٹھا لینا چاہیے نصاب (قطع) ہو یا نہ ہو حرام ہے۔ دوسری تعریف (حافظ الدین النسفی) کے مطابق یہ ہے کہ سکہ رائج الوقت کے مطابق دس درہم کسی ایسی جگہ سے چرا لے جو عموماً محفوظ سمجھی جاتی ہو یا کسی کی حفاظت میں رکھی گئی ہوں)۔

متذکرہ بالا تعریف میں قابل غور نکات یہ ہیں:

۱۔ کسی بھی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ کسی دوسرے کا مال شرعی جواز کے بغیر اٹھالے۔ یہ حرام ہے اور سزائے اخروی کا باعث بنتا ہے۔

۲۔ مال کی مقدار نصاب (یعنی ۱۰ درہم یا اس کی قیمت) سے کم ہو تب بھی اس کو مالک کی رضایت کے بغیر اٹھانا جائز نہیں۔

۳۔ چوری کی تعریف میں لفظ ''خفیہ'' کو بطور خاص ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مالک سے چھین کر یا ڈرا دھمکا کر اسے دکھاتے ہوئے لے جایا جائے تو اس پر قطع ید کی حد جاری نہیں ہوگی۔ (اگرچہ یہ جرم ممکن ہے قطاع الطریق کی سزا کا موجب بنے)۔

۴۔ لفظ ''محرزۃ'' سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ اگر وہ چیز محرز نہ ہو یعنی کسی کھلی جگہ مثلاً صحن وغیرہ میں ہو وہاں سے اٹھالی جائے تو بھی (اگرچہ یہ حرام ہے مگر) ہاتھ کاٹنے کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔

۵۔ مجموعی طور پر اس تعریف میں حد سرقہ کی کچھ شرائط کا ذکر کیا گیا ہے۔

سرقہ کا ثبوت

چوری ثابت ہونے کے دو طریقے ہیں:

۱۔ چور خود چوری کا اقرار کرے۔ اقرار کی تعداد میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ ایک بار اقرار کرے یا دو دفعہ؟ اس اختلاف میں یقینی بات محض اتنی ہے کہ دو دفعہ اقرار کے ذریعے چوری سبھی کے نزدیک ثابت ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ کے اقرار سے مالکی، شافعی اور حنفی فقہا کے مطابق چوری ثابت ہو جاتی ہے۔ امامیہ، حنابلہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک دفعہ اقرار سے حد ثابت نہیں ہوتی ان کے نزدیک حد کے ثبوت کے لیے دو دفعہ اقرار ضروری ہے۔

۲۔ دو عادل گواہوں کی گواہی کے ذریعے بھی چوری ثابت ہوتی ہے اور قطع ید کا حکم لاگو ہو جاتا ہے۔36

چوری کی سزا کا جواز

چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ یہ سزا قرآن وسنت اور اجماع تینوں مآخذ سے ثابت ہے۔

۱۔ قرآن مجید کی آیت ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِنْ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾.37

(اور چوری کرنے والا مرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، اللہ کی طرف سے یہ ان کے کرتوت کی سزا ہے اور اللہ بڑا غالب آنے والا اور حکمت والا ہے)۔

۲۔ سنت رسول ﷺ سے احادیث تواتر کی حد تک موجود ہیں۔ بطور مثال دو احادیث ملاحظہ ہوں:

الف) تقطع يد السارق في ربع دينار فصاعداً.[38]

(دینار کے چوتھائی حصے یا اس سے زیادہ کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا)۔

دوسری روایت میں فرمایا:

ب) ''اقطعوا في ربع دينار ولا تقطعوا فيما دون ذلك''[39]

(چوتھائی دینار پر ہاتھ کاٹ دو اس سے کم پر ہاتھ مت کاٹنا)۔

۳۔ تیسری دلیل اجماع ہے: ابن نذر یوں بیان کرتے ہیں:

''اجمعوا ان القطع انما يجب على من سرق ما يجب فيه قطع من الحرز''.[40]

(اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا اس وقت واجب ہے کہ کوئی اتنی مقدار میں مال کسی محفوظ جگہ سے چوری کرے جو سزا کے لیے معین ہے)۔

چوری ثابت ہونے کی شرائط

چوری کے تین ارکان ہیں (چور، چرایا ہوا مال اور چوری کا فعل) ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ شرائط درج ذیل ہیں۔

ا۔ چور کہلانے کی شرائط:

ہاتھ کاٹے جانے کی سزا پانے والے چور میں درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

الف) بالغ ہو۔ پس بچے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس کو بھی حاکم شرع صوابدیدی سزا دے گا۔

ب) عاقل ہو۔ پس مجنون کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے اس کو بھی حاکم شرع صوابدیدی سزا دے گا۔

ج) جس سے مال چرایا جا رہا ہے چور اس کا مالک نہ ہو۔ مثلاً باپ اگر بیٹے سے مال چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے کہ بیٹا اگر باپ کے مال سے چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کی تعزیر ہو گی۔

د) چور اور مال کے مالک کے درمیان کوئی ولایت کا رشتہ نہ ہو یعنی ایک دوسرے کے غلام یا مالک نہ ہوں۔ پس غلام کا ہاتھ مالک کا مال چرانے پر اور مالک کا ہاتھ غلام کا مال چرانے پر نہیں کاٹا جائے گا۔

ہ) چوری دار اسلام (اسلامی مملکت) میں کرے پس کسی کافر حربی کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

و) اپنی مرضی سے چرائے۔ پس اگر کسی نے اس کو مجبور کیا ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ز) امامیہ نے ایک شرط کا اور اضافہ کیا ہے کہ چوری خشک سالی اور بھوک کی شدت کی وجہ سے نہ کی گئی ہو۔ پس قحط کے زمانے میں اگر کوئی چوری کرے تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۲۔ مسروقہ مال کی شرائط:

الف) مال نصاب کے برابر ہو۔ نصاب حنفی فقہا کے نزدیک ایک دینار یا دس درہم ہے۔ مالکی فقہاء کے نزدیک تین درہم، شافعیہ، حنابلہ اور امامیہ فقہاء کے نزدیک "ربع (ایک چوتھائی) دینار" ہے۔

ب) مال قیمتی ہو اور شرعاً اس کی خرید وفروخت جائز ہو۔ پس اگر کوئی شراب یا سور کا گوشت چوری کرے تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ج) مال چور کی ملکیت کی حیثیت رکھنے والا نہ ہو۔ مثلاً راہن اپنا رہن رکھا ہوا مال چوری کرے یا اجارہ پر دی ہوئی چیز چوری کرے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

د) جس پر چوری کرنا صدق آئے۔ مثلاً چھوٹے غلام (غلام کے بچہ) کو چوری کیا جا سکتا ہے جبکہ بڑے غلام کو چوری نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ چوری کی کیفیت

اس کی ایک ہی شرط ہے جو کہ حرز ہے۔ حرز سے مراد محفوظ جگہ ہے۔[41]

ایک اہم بحث سرقہ کے باب میں ہاتھ کاٹنے کی مقدار ہے۔ مذہب امامیہ کے سوا باقی چوروں مذاہب کے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پہلی دفعہ چوری کرنے پر دائیں ہاتھ کو کلائی سے کاٹ دیا جائے گا۔ جبکہ امامیہ فقہاء نے ہاتھ کو کلائی کی بجائے انگلیوں کی جڑوں سے کاٹنے کا فتویٰ دیا ہے۔ اس کی دلیل امام جعفر صادقؒ کا یہ فرمان ہے:

"الحلبي عن الصادق قال قلت له من أين يجب القطع؟ فبسط أصابعه وقال من هاهنا، (يعني من مفصل الكف)".[42]

(حلبی سے روایت ہے کہ انہوں نے امام جعفری صادقؒ سے پوچھا کہ (چور کی سزا کے طور پر) ہاتھ کہاں سے کاٹنا واجب ہے؟ آپؒ نے اپنی انگلیاں پھیلا دیں اور فرمایا یہاں سے (یعنی انگلیوں کی جڑوں/ ہتھیلی کی آخری حد سے))۔

قذف (تہمت) کی حد

اسلام ایک ایسے معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے۔ جس میں تمام انسانوں کو ان کے بنیادی حقوق میسر ہوں۔ ہر ایک کی جان، مال اور عزت وآبرو محفوظ رہے۔ حضور ﷺ کی مشہور حدیث ہے:

"المسلم من سلم المسلمون من يده ولسانه"[43]

(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہیں)۔

تہمت سے مذکورہ حدیث میں ذکر شدہ مقصد ختم ہو جاتا ہے۔یعنی جب کوئی اپنی زبان سے کسی کو اذیت دینا شروع کرے اور کسی پاک دامن عورت پر زنا جیسی قبیح حرکت کی تہمت لگائے تو اسلام نے اس کے لیے اسیؔ(۸۰) کوڑوں کی سزا مقرر ہوئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الزَّانِي لا يَنكِحُ إلاَّ زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لا يَنكِحُهَا إلاَّ زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾[44]

(اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں پھر اس پر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسیؔ(۸۰) کوڑے مارو اور ان کی گواہی ہر گز قبول نہ کرو نیز یہی فاسق لوگ ہیں)۔

اس آیت میں صراحت کے ساتھ قذف کی حد کا ذکر ہوا ہے۔یہاں پر اختصار کے ساتھ قذف کی تعریف، شرائط اور احکام کے حوالے سے مذاہب خمسہ کے درمیان مشترکات کا جائزہ لیا جائے گا۔

قذف کا لغوی اور اصطلاحی معنی

لغت میں ''قذف'' پھینک دینے، چھوڑ دینے اور مارنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔حضرت موسیٰؑ کی ماں سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿أَنْ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ﴾.[45]

((وہ یہ تھا) کہ اسے (یعنی موسیٰ کو) صندوق میں رکھ دو پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دو)۔[46]

مذکورہ آیت میں لفظ قذف اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔راغب نے قذف کی درج ذیل تعریف کی ہے:

''القذف الرمي البعيد ولا عتبار البعد فيه قيل: منزل قذف وقذيف وبلدة قذوف بعيدة، وقوله ... اطراحيه فيه، وقال: ﴿وقَذَفَ فِي قُلُوْبِهِم الرُّعْبَ﴾[47] ﴿بَلْ نَقْذِفُ بالحق على الباطلِ فَيَدْمَغُهُ﴾[48] واستعير القذف للشتم والعيب كما استعير الرمي''.[49]

(قذف سے مراد کسی چیز کو دور پھینک دینا ہے۔دوری کی مناسبت سے دور جگہ کو ''منزل قذف'' یا ''قذیف'' کہا جاتا ہے۔دور کے شہر کو ''بلدۃ قذوف'' کہا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان جس کا مطلب ہے اسے دریا میں ڈال دو۔اسی طرح اللہ کا ارشاد ہے: (ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا) اور (بلکہ ہم باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں) انہی معانی سے قذف گالی دینے اور عیب بیان کرنے کے لیے مستعار لیا گیا ہے جس طرح یہ تیر اندازی کے لیے استعارہ ہے)۔

قذف کا اصطلاحی معنی

خطیب شربینی نے قذف کی یہ تعریف کی ہے:

''وشرعا الرمى بالزنا في معرض التعريض''.[50]

(شرعی اصطلاح میں قذف سے مراد کسی کی آبروریزی کرتے ہوئے زنا کا الزام لگانا ہے)۔
اسی سے ملتی جلتی عبارت الحصکفی نے لکھی ہے:
''وهو لغة الرمى، وشرعا الرمى بالزنا، وهو من الكبائر بالاجماع''.[51]
(لغت میں اس کا مطلب تیر اندازی ہے اور شرعی اصطلاح میں زنا کی تہمت لگانا ہے جو کہ اجماعاً گناہ کبیرہ ہے)۔
شہید اوّل نے بھی قذف کی یہی تعریف کی ہے:
''وهو الرمي بالزنا أو اللواط مثل قوله زنيت أو لطت أو أنت زان وشبهه''.[52]
(قذف سے مراد کسی پر زنا یا لواطہ کی ان الفاظ میں تہمت لگانا ہے کہ تم نے زنا کیا ہے تم نے لواطت کی یا تم زانی ہو وغیرہ)۔
متذکرہ بالا تعریفوں میں درج ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

۱۔ لغت میں قذف کسی پتھر وغیرہ کو پھینک دینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
۲۔ شرعی اصطلاح میں کسی پر زنا یا لواطہ کی تہمت لگانے کو قذف کہا جاتا ہے۔
۳۔ زنا یا لواطہ کی وجہ سے حد واجب ہونے کا فلسفہ یہ ہے کہ اس سے تہمت لگانے جانے والے شخص کی عزت و آبرو ختم ہو جاتی ہے۔
۴۔ قذف کے گناہ کبیرہ ہونے پر سب فقہا متفق ہیں۔

قذف کی حد

تمام مذاہب کے نزدیک قذف کی حد ۸۰ کوڑے ہیں۔ اسکی دلیل قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت ہے:
﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَداً وَأُوْلَئِكَ هُمْ الْفَاسِقُونَ﴾[53]
(اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسیّ (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی گواہی ہر گز قبول نہ کرو اور یہی فاسق لوگ ہیں)۔
سورہ نور میں ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے قذف کرنے والوں کے لیے دنیا اور آخرت میں لعنت اور دردناک عذاب کی وعید دی ہے۔ آیت ملاحظہ ہو:
﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[54]
(جو لوگ بے خبر پاک دامن مومنہ عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے)۔

اس ضمن فقہا کی کتابوں سے چند نمونے ذیل میں دیئے گئے ہیں:

شہید ثانی لکھتے ہیں:

''حد القذف ثمانون اجماعا لقوله تعالى: (فاجلدوهم ثمانين جلدة).''[55]

(قذف کی حد قرآنی آیت (ثمانون جلدة) کی رو سے اجماعاً ۸۰ کوڑے ہیں)۔

اس ضمن میں ابن نجیم لکھتے ہیں:

''هو كحد الشرب كمية وثبوتاً أي حد القذف كحد الشرب قدرا وهو ثمانون سوطا إن كان حرا ونصفه إن كان القاذف عبدا''.[56]

(قذف کی حد شراب نوشی کی حد کی طرح ہے یعنی اگر تہمت لگانے والا آزاد ہے تو اسی کوڑے اور غلام ہے تو اس کا نصف یعنی چالیس کوڑے ہیں)۔

باقی فقہاء نے بھی قذف کی حد آزاد شخص پر اسیّ اور غلام پر چالیس کوڑوں کی سزا کا فتویٰ دیا ہے۔[57]

اس ضمن میں ایک متفقہ فتویٰ یہ بھی ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد قذف کے مرتکب شخص کی گواہی قبول نہیں ہو گی۔اس کی دلیل ایک ہی ہے:

﴿وَلا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَداً وَأُوْلَئِكَ هُمْ الْفَاسِقُونَ﴾[58]

(اوران کی گواہی ہر گز قبول نہ کرو اور یہی فاسق لوگ ہیں)۔

قذف کی شرائط

وہ شرائط جن پر مذاہب خمسہ کے فقہاء متفق ہیں یہ ہیں:

۱۔ بالغ ہو: لہذا بچے پر حد جاری نہیں کی جائے گی بلکہ اسے حاکم اپنی صوابدیدی سزا (تعزیر) دے گا۔

۲۔ عاقل ہو: مجنون پر بھی حد نہیں بلکہ اسکی تعزیر ہو گی۔

۳۔ عفیف (باعفت) ہو: یعنی پہلے سے زنا سے بدنام یا مشہور نہ ہو۔

۴۔ مسلمان ہو: پس کوئی غیر مسلم کسی پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کی تعزیر ہو گی۔

۵۔ آزاد ہو: غلام پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہو گی۔[59]

قذف ثابت ہونے کے دو طریقے ہیں:

۱۔ خود قاذف (تہمت لگانے والا) اقرار کرے۔

۲۔ دو عادل گواہ قذف کی گواہی دیں۔

قذف کی حد ساقط ہونے کے چار راستے ہیں:

۱۔ مقذوف (جس پر تہمت لگائی ہے) اس تہمت کی تصدیق کرے (کہ یہ بندہ ٹھیک کہتا ہے میں نے ایسی حرکت کی ہے)۔

۲۔ قاذف ۴ گواہوں کو پیش کرے۔

۳۔ مقذوف اس کو معاف کر دے (عفو کر دے)۔[60]

۴۔ اگر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو حد سے بچنے کا ایک راستہ "لعان" بھی ہے۔[61] "لعان" ل۔ع۔ن۔ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب اللہ کی رحمت اور خیر سے دوری کی بد دعا کرنا ہے جس کو اصطلاح میں لعنت کہا جاتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں لعان سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور چار عادل گواہ پیش نہ کر سکے تو حد کو اپنے آپ سے دور کرنے کے لیے بد دعا کرے گا۔

شہید ثانی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"وهو لغة المباهلة المطلقة، أو فعال من اللعن أو جمع له وهو الطرد والإبعاد من الخير والاسم اللعنة، وشرعا: هو المباهلة بين الزوجين في إزالة حد".[62]

(لغت میں لعان سے مراد عمومی مباهلہ[63] ہے۔ یہ یا لعن سے فعال کے وزن پر ہے یا اسکی جمع ہے جس کا مطلب خیر سے دوری ہے۔ اس کا اسم "اللعنۃ" ہے۔ شرع میں لعان سے مراد میاں بیوی کا حد قذف کو رفع کرنے کے لیے مباہلہ کرنا ہے)۔

خلاصہ یہ کہ لعان کے ذریعے حد قذف سے انسان بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل سورہ نور کی یہ آیات ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلاَّ أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنْ الصَّادِقِينِ * وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنْ الْكَاذِبِين * وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنْ الْكَاذِبِينَ * وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنْ الصَّادِقِينَ * وَلَوْلا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ﴾[64]

(اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ان میں سے ایک شخص کی یوں ہو گی کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور عورت سے سزا صرف اس صورت میں ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ یہ شخص (قذف کرنے والا) جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ (قاذف) سچا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تمہیں اس سے خلاصی نہ ملتی) اور یہ کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے)۔

ان آیات میں لعان کی شرائط اس کی کیفیت اور طریقہ کار صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔

شراب نوشی کی حد

سوائے شافعیہ کے باقی تمام مذاہب کا اس بات پر اجماع ہے کہ شراب نوشی کی حد اسی کوڑے ہیں۔اس کے اثبات کا طریقہ خود شراب پینے والے کا اقرار یا دو عادل گواہوں کی گواہی ہے۔اس کی شرائط میں بلوغ، عقل،اسلام کے ساتھ اختیار بھی شامل ہے کیونکہ مجبور انسان مرفوع القلم ہے۔[65] امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ شراب نوشی کی حد چالیس کوڑے ہیں۔[66]

محاربین کی حد

یہ لفظ ''ح۔ر۔ب'' سے ماخوذ ہے جو لغت میں جنگ کرنے اور تمام اسباب لوٹنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ابن منظور کے مطابق:

''الحرب نقيض السلم، الحرب بالتحريك نهب مال الانسان وتركه لا شيء له''[67]

(حرب امن و سلامتی کی ضد ہے نیز حرب (راء پر زبر کے ساتھ) سے مراد کسی کا سارا مال چھین کر اس کو بے سروسامان کرنا ہے)۔

محاربین کی اصطلاح قرآن کی درج ذیل آیت سے ماخوذ ہے:

﴿الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَاداً﴾[68]

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اور روئے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کی سزا بس یہ ہے)۔

ان کے لیے قطاع الطریق (راستوں پر گھات لگانے والے) بھی کہا جاتا ہے۔ان کی سزا جرم کی نوعیت کے حساب سے مختلف ہے جس کا خلاصہ اسطرح ہے:

اگر محارب نے کسی کو قتل کیا ہو تو بدلے میں اس کو بھی قتل کیا جائے گا۔اور اگر اس نے قتل کے ساتھ ساتھ کسی کا مال چھین لیا ہو تو اس کو سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔اگر اس نے کسی کو قتل نہ کیا ہو صرف مال چھین بھی لیا ہو تو اس کے ہاتھ اور پاؤں (مختلف سمتوں میں) کاٹے جائیں گے اور اگر وہ مال بھی نہ لے اور قتل بھی نہ کرے صرف لوگوں کو ڈرائے تو اس کو شہر بدر کر کے زندان میں ڈال دیا جائے گا۔[69]

ان سزاؤں کی بنیادی دلیل درج ذیل آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَاداً أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنيَا وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[70]

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اور روئے زمین پر فساد پھیلاتے ہیں ان کی سزا بس یہ ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا ملک بدر کیے جائیں، یہ تو صرف دنیا میں ان کی رسوائی کی سزا ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے)۔

اس کے علاوہ احادیث میں بھی متعدد روایات موجود ہیں۔مثلاً مرید ابن معاویہ امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں:

''سأل رجل أبا عبد الله عن قول الله عزوجل: ---- (إلى آخر الآية) قال ذلك إلى الإمام يفعل به ما يشاء، قلت: فمفوض ذلك إليه قال لا ولكن نحو الجناية''.[71]

(ایک شخص نے امام جعفر صادقؒ سے آیت ۔۔۔۔۔۔ کے بارے میں سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ یہ امام کی صوابدید پر ہے کہ وہ جیسی سزا دینا چاہیے دے دے۔ میں نے عرض کیا، کیا یہ اختیار امام کو حاصل ہے کہ وہ جیسی سزا دینا چاہیے دے؟ آپؒ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ جرم کی نوعیت پر موقوف ہے)۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے:

''قال قدم رهط من عكل على النبي ﷺ كانوا في الصفة فاجتووا المدينة فقالوا يارسول الله ابغنا رسلاً (ما أجد لكم الا أن تلحقوا بابل رسول الله ﷺ) فأتوها فشربوا من البانها وابوا لها حتى صحوا وسمنوا وقتلوا الراعى واستاقوا الذود فأتى النبي ﷺ الصريخ، فبعث الطلب في اثارهم فما ترحل النهار حتى أتى بهم، فأمره مسامير فاحميت فكحلهم بها وقطع أيديهم وأرجلهم وما حسمهم ثم القوا في الحرة يستسقون فما سقوا حتى ماتوا قال أبو قلابة: سرقوا وقتلوا وحاربوا الله ورسوله''.[72]

(قبیلہ عکل کے چند لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور یہ لوگ مسجد کے سائبان تلے ٹھہر گئے۔ مدینہ منورہ کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے لیے کہیں سے دودھ مہیا کر دیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو میرے پاس نہیں ہے۔ البتہ تم لوگ ہمارے اونٹ ﷺ کی طرف چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ آئے اور ان کا دودھ اور بول پی لیا اور صحت مند اور موٹے تازے ہو گئے۔ پھر انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہنکالے گئے۔ اتنے میں آنحضرت ﷺ کے پاس فریادی پہنچا اور آپ ﷺ نے ان کی تلاش میں سوار بھیجے۔ ابھی دھوپ زیادہ پھیلی بھی نہیں تھی کہ انہیں پکڑ کر لایا گیا، پھر آپ ﷺ کے حکم سے سلائیاں گرم کی گئیں اور ان کی آنکھوں میں پھیر دی گئیں اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور (ان کے زخم سے خون روکنے کے لیے) انہیں داغا بھی نہیں گیا۔ اس کے بعد وہ حیرہ کے مقام (مدینہ کی پتھریلی زمین) پر ڈال دیئے گئے۔ وہ پانی مانگتے تھے انہیں پانی نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ ابو قلابہ کہتے ہیں یہ اس وجہ سے کیا گیا کہ انہوں نے چوری کی تھی، قتل کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے غدارانہ لڑائی لڑی تھی)۔

متذکرہ بالا آیات، روایات اور اجماع[73] کی رو سے محاربین (جو لوگوں کو ڈرائیں، لوٹیں اور قتل کریں) کو ان کے جرائم کے مطابق قتل، ہاتھ پاؤں کاٹنے اور شہر بدر کرنے کی سزائیں ثابت ہیں۔

محاربین پر حد جاری کرنے کی شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ بالغ اور عاقل ہو۔ لہٰذا بچے اور مجنون پر یہ حدود لاگو نہیں ہوتیں۔

۲۔ علانیہ طور پر لوگوں کو لوٹ لیا ہو۔ پس چھپ کر یا خفیہ طور پر لوٹ لیں تو ان پر چوری کی سزا ہو گی محارب کی نہیں۔

۳۔ دو گواہوں کی گواہی یا خود ان کے اقرار سے وہ محارب ثابت ہوں۔

۴۔ مال محفوظ جگہ سے چھین لیا ہو۔ لہذا اگر کسی ویران جگہ سے اٹھالیا ہو تو محارب کی سزا نہیں ہو گی۔[74]

ارتداد کی حد

یہ لفظ ر۔د۔د سے باب افتعال کا مصدر ہے جو لغت میں پلٹنے، رجوع کرنے اور لوٹ جانے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔[75] شرعی اصطلاح میں دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد اسے چھوڑ کر پھر کفر اختیار کرنے کو ارتداد کہا جاتا ہے۔

ابن نجیم کے نزدیک ارتداد سے مراد یہ ہے:

''المرتد في اللغة الراجع مطلقا وفي الشريعة الراجع عن دين الإسلام''[76]

(لغت میں مرتد سے مراد مطلقاً پلٹنے اور رجوع کرنے والے کو کہا جاتا ہے جبکہ شرعی اصطلاح میں مرتد وہ ہے جو دین اسلام کو چھوڑ دے)۔

جو ایک بار دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد پھر کفر اختیار کرے اس کی سزا قتل ہے۔ البتہ قتل سے پہلے اسے توبہ کرنے کو کہا جائے گا۔ بعض روایات کے مطابق اس کو تین دن محبوس رکھا جائے گا۔ اگر ان تین دنوں میں توبہ کرے تو اس پر مرتد کے احکام لاگو نہیں ہونگے اور اسے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر ان تین دنوں کے اندر توبہ نہ کرے تو اس کی گردن ماری جائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مرتد ہوتے ہی اس کی مسلمان بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ توبہ کر کے وہ پھر اسلام قبول کرے۔ اسی طرح اس کے مال کا بھی وہ مالک نہیں رہے گا۔ اگر توبہ کرے تو مال کا پھر مالک بنے گا۔ ورنہ وہ مال ان کے مسلمان ورثاء میں تقسیم ہو جائے گا۔[77]

اس دنیاوی سزا کے ساتھ ساتھ آخرت میں وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اللہ کے دردناک عذاب کا شکار ہو گا۔ اس نے جو نیک اعمال اپنی زندگی میں کیے تھے وہ بھی کالعدم تصور ہوں گے۔ اس بات کی وضاحت قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُوْلَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَأُوْلَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾[78]

(اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا اور کفر کی حالت میں مرے گا ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہوں گے اور ایسے لوگ اہل جہنم ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے)۔

ارتداد کی شرائط تین ہیں:

۱۔ عقل: اس بنا پر مجنون کو مرتد کی سزا نہیں دی جاسکتی۔

۲۔ اختیار: اس شرط کی رو سے مجبور شخص کو بھی مرتد کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ درج ذیل آیات مجیدہ میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ:

الف) ”لا إكراه في الدين “۔[79]

(دین میں کوئی جبر واکراہ نہیں)۔

ب) ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْراً فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنْ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[80]

(جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ کا انکار کرے (اس کے لیے سخت عذاب ہے) بجز اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو (تو کوئی حرج نہیں) لیکن جنہوں نے دل کھول کر کفر اختیار کیا ہو تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے)۔

۳۔ حدیث شریف: "إن الله رفع عن أمتي الخطأ والنسيان وما أكرهوا عليه".[81]

(اللہ تعالیٰ نے میری امت سے بھول، چوک اور اکراہ (ایسا کام جو اس سے جبر کی حالت میں کروانے) اٹھالیا ہے)۔

ان آیات اور حدیث کی رو سے مجبور شخص اس سزا سے مستثنیٰ ہو گا۔[82]

حضور ﷺ کی حدیث: "من بدل دينه فاقتلوه".[83]

(جو اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کردو)۔ کی رو سے مرتد کی سزا قتل ہے۔

نتائج

۱۔ اسلام کے نظام جرم و سزا میں ”حد“ ایک ایسی سزا ہے جس کی کمیت و کیفیت اللہ کی طرف سے معین ہے۔ اس میں حاکم شرع یا قاضی کو اپنی صوابدید کے مطابق کمی بیشی نہیں کر سکتا۔

۲۔ زنا، تہمت، چوری، ڈاکازنی، شراب نوشی اور ارتداد جیسے جرائم کی سزا کے حوالے سے اسلام کے پانچ بڑے مکاتب فکر کے فقہاء کے مابین درج ذیل نکات پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔

اَ) شادی شدہ مرد/عورت سے زنا کا فعل سرزد ہو جائے تو اس کی سزا سنگسار کرنا ہے۔

ب) غیر شادی شدہ مرد/عورت سے یہ فعل سرزد ہو جائے تو اس کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے ہیں۔

ت) غلام/کنیز زنا کے مرتکب ہو جائیں تو آزاد مرد/عورت کے لیے مقررہ سزا کا نصف یعنی ۵۰ کوڑے کی سزا معین ہے۔

ث) اگر کوئی شخص اسلام سے پھر جائے (مرتد ہو جائے) تو اس کی سزا متفقہ طور پر یہ ہے کہ اس کی گردن ماری جائے۔

ج) تہمت کی سزا مذاہب خمسہ کے فقہاء کے نزدیک بالاتفاق ۸۰ کوڑے ہیں۔

ح) شراب نوشی کی سزا فقہ شافعی کے مطابق ۴۰ کوڑے جبکہ باقی مذاہب کے مطابق ۸۰ کوڑے ہیں۔

خ) چور کی سزا کی نوعیت میں تمام مذاہب خمسہ کے فقہاء میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔یعنی چور کا ہاتھ کاٹنا اس کی سزا ہے۔البتہ "کاٹنے" کی کیفیت میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، فقہ جعفری کے فقہاء محض انگلیوں کو ان کی جڑ سے کاٹنے کے قائل ہیں جبکہ دیگر مذاہب کے فقہاء ہاتھ کو کلائی سے کاٹ لینے کے قائل ہیں۔

د) محاربین یعنی لوگوں کو راستے میں لوٹنے والوں کی سزا کے حوالے سے درج ذیل امور پر مذاہب خمسہ (حنفی، جعفری، مالکی، شافعی اور حنبلی) کے فقہاء کا اتفاق ہے۔

الف) اگر کسی کو قتل کیا ہو تو اس کی سزا قتل کرنا ہے یعنی جان کے بدلے جان لینا۔

ب) اگر قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لوٹ لیا ہو تو پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔

ج) اگر صرف مال لوٹ لیا ہو تو ہاتھوں اور پاؤں کو مختلف سمتوں میں کاٹ دیا جائے گا۔

د) اگر صرف ڈرایا دھمکایا ہو تو محارب کو شہر بدر کر کے زندان میں ڈال دیا جائے گا۔

سفارشات

۱۔ وطن عزیز میں جرائم اور مجرمانہ کارروائیوں کی روک تھام کر کے امن و سلامتی کے عالمگیر خواب کی تعبیر پانے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے نظام جرم و سزا کا عملی طور پر اطلاق کیا جائے۔

۲۔ مذاہب خمسہ کے فقہاء کے نزدیک جن جن جرائم کی سزا کی کمیت و کیفیت پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے ان کو انسداد جرائم کے لیے ایک مؤثر اور حتمی فیصلے کے طور پر فروغ دیا جائے۔

۳۔ حدود جیسی سزا انسان کی جان و مال، سماجی حیثیت، معاشرتی امن و امان اور ریاستی استحکام و انصرام کے لیے مقرر کی گئی ہے لہذا اس کے اجراء میں کسی بھی قسم کی نرم دلی کا مظاہرہ شرعاً تو ممنوع ہے ہی قانوناً اور عرفاً بھی ممنوع قرار دیا جائے۔

(References)

1- حسن المصطفوی، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، ہنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، تہران، ۱۳۶۰ھ ش، ج ۳، ص ۳۳۸،۳۳۷، وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، دمشق، ۱۴۰۲ھ، ج۵، ص۲۱

2۔ ابن منظور، لسان العرب، دار الحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء، ج۱، ص ۳۹۳-۳۹۵

3- ابن منظور، لسان العرب، ج۵، ص٦٦

4- انیس ابراہیم وزملانہ، المعجم الوسیط، دار الدعوۃ، قاھرۃ، ج۱، ص۳۱۷

5۔ وھبۃ الزہلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، دمشق، ۱۴۰۲ھ، ۱۵، ص ۲۱

6- البلاغی، محمد جواد، الاء الرحمن فی تفسیر القرآن، بنیاد بعثت، قم، ۱۴۲۰ھ ق، ج ۱، ص ۱۱۵
7- الجرجانی حسینی، آیات الاحکام، انتشارات نوید، تہران، ۱۴۰۲ھ ق، ج ۱، ص ۸۳
8- الجصاص، احمد بن علی، احکام القرآن، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ ق، ج ۲، ص ۳۵
9- ابن منظور، لسان العرب، ج ۳، ص ۴۱۴۰، الفراھیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، انتشارات ھجرت، قم، ۱۴۱۰ھ، ج ۳، ص ۲۰
10- حوالہ سابقہ
11- الآبی، صالح عبد السمیع الازھری، الثمر الدانی فی تقریب المعانی شرح رسالۃ ابی زید القیروانی، المکتبۃ الثقافیہ، بیروت، ص ۵۶۸
12- ابن نجیم المصری، زین الدین بن ابراہیم، البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق، دار الکتاب الاسلامی، بیروت، ج ۵، ص ۲
13- سورۃ النور: 2
14- سورۃ الاسراء: 32
15- سورۃ النور: 31
16- البیہقی، عمر ابن عبد الرحمن، مختصر شعب الایمان، دار ابن کثیر، دمشق، ۱۴۰۵ھ، ط ۲، ج ۷، ص ۳۳۲؛ الصبہانی، ابو نعیم احمد بن عبداللہ، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ط ۲، ج ۴، ص ۱۱۱؛ الصدوق، محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ قمی، علل الشرائع، مؤسسۃ النشر الاسلامی، قم، ج ۲، ص ۲۶۵
17- الشہید الثانی، زین الدین عاملی، الروضۃ البہیۃ فی شرح اللمعۃ الدمشقیۃ، چاپخانہ علمیہ، قم، ط ۲، ج ۱۵، ص ۱۰۶
18- ابن نجیم المصری، زین الدین بن ابراہیم، البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق، دار الکتاب الاسلامی، بیروت، ط ۲، ج ۵، ص ۴
19- الحصکفی، الدر المختار، دار الفکر، بیروت، ۱۳۸۶ھ، ط، ج ۴، ص ۲۳
20- الامام احمد بن محمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، تحقیق: احمد محمد شاکر، دار الحدیث، القاھرۃ، ط ۱، ۱۹۹۵م، ج ۵، ص ۱۸۳
21- البیہقی، عمر ابن عبد الرحمن، سنن البیہقی الکبریٰ، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، مکتبۃ دار الباز، مکۃ المکرمۃ، ۱۹۹۲م، ج ۸، ص ۲۱۱
22- الحمیدی، محمد بن فتوح، الجمع بین الصحیحین البخاری ومسلم، تحقیق: د علی حسین البواب، دار النشر، بیروت، ۱۴۲۳ھ، ج ۱، ص ۲۸
23- الطوسی، ابو جعفر محمد ابن حسن، الخلاف، مؤسسۃ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۰۷ھ، ج ۸، ص ۳۲۰؛ ابن المنذر، محمد بن ابراھیم، الاجماع، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۹۹۳م، ط ۱، ص ۱۰۰، ان کی عبارت یوں ہے؛ واجمعوا علی ان الحر اذا تزوج حرة تزويجا صحيحا ووطنها في الفرج انه محصن ويجب عليهما الرجم اذا زنيا۔
24- السمرقندی، محمد بن یوسف، الفقہ النافع، مجمع البحوث الاسلامیۃ، اسلام آباد، ۱۹۹۶م، ط ۱، ص ۱۸۵
25- الجزیری، عبد الرحمن، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، دار الفکر، بیروت، ج ۵، ص ۴۶
26- الشہید الثانی، الروضۃ البہیۃ، ج ۴، ص ۱۳۶؛ ابن نجیم، البحر الرائق، ج ۵، ص ۶؛ السرخسی، شمس الدین، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، ج ۱۰، ص ۴۸۲؛ الحجاوی، شرف الدین موسی ابن احمد ابو النجا، الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل، تحقیق عبد اللطیف محمد

موسی السبکی، دارالمعرفۃ، بیروت، ج۴، ص۲۵۶؛ابن مفلح، أبوعبداللہ، محمد شمس الدین المقدسي، المبدع فی شرح المقنع، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۰م، ج۹، ص۶۹

27۔ الطوسی، محمد بن حسن، المبسوط فی فقہ الامامیۃ، مؤسسۃ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۲۲ھ، ط۱، ج۸، ص۶۸؛البزار، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق، مسند البزار والبحر الزخار، تحقیق: دکتر محفوظ الرحمان زین اللہ، مکتبۃ العلوم والحکم، بیروت، ۱۴۰۹ھ، ج۲، ص۴۵۲؛ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤود، دارالکتب العربی، بیروت، ج۲، ص۵۷۳، پر فلیتق الوجہ تک کی عبارت کی حدیث مذکور ہے اس میں لفظ فرج کاذکر نہیں۔

28۔ السرخسی، المبسوط، ج۱۱، ص۶۳؛الزیلعی، فخر الدین عثمان بن علی، تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق، دارالکتب الاسلامی، قاھرۃ، ۱۳۱۳ھ، ج۳، ص۱۷۰

29- الشھید الثانی، الروضۃ البھیۃ، ج۵، ص۱۵۲؛زیلعی، تبیین الحقائق، ج۳، ص۱۷۵

30- سورۃ النساء 25:

31- الکلینی، محمود بن یعقوب، الکافی، دارالاسلامیۃ، بیروت، ج۷، ص۲۷۳؛البخاری، امام محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، تحقیق مصطفی دیب البغا، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۸۷م، حدیث ۶۳۷۰؛امام مسلم بن حجاج نیشاپوری، صحیح مسلم، تحقیق، محمد فواد عبدالباقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، حدیث ۳۱۷۵

32- سورۃ المائدۃ: 37

33۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۰۲، ص۱۵۶

34۔ الفراھیدی، العین، ج۵، ص۷۶

35۔ ابن نجیم، البحر الرائق، ج۵، ص۵۴

36۔ الحلی، یحی ابن سعید الھنلی، الجامع للشرائع، مؤسسۃ سید الشھدا، قم، ۱۲۰۵ھ، ج۲، ص۵۷؛الکاسانی، ابن مسعود، بدائع الصنائع، دارالکتب العربی، بیروت، ۱۳۹۲ھ، ج۴، ص۲۷۹؛الحجاوی، الاقناع، ج۲، ص۱۹۶

37۔ سورۃ المائدۃ:38

38- البیہقی، السنن الصغیر للبیہقی، تحقیق: عبدالمعطی امین قلعجی، جامعۃ الدراسات الإسلامیۃ، کراتشی، ط۱، ۱۴۱۰ھ، ۱۹۸۹م، ج۳، ص۳۰۷؛ابوداؤد، سنن ابی داؤد، ج۱۱، ص۴۶۲؛ صحیح البخاری، حدیث ۶۷۸۹-۶۷۲۱؛ صحیح مسلم، حدیث ۳۱۹۰

39۔ الطوسی، المبسوط، ج۸، ص۱۹؛البیہقی، السنن الکبریٰ، ج۸، ص۲۵۵؛الشافعی، محمد بن ادریس، الام، بیت افکار الدولیۃ، ریاض، ج۶، ص۱۴۰

40- ابن المنذر، الاجماع، ص۹۸

41۔ السمرقندی، الفقہ النافع، ص ۱۹۲، ۱۹۷؛ الشھید الثانی، الروضۃ البھیۃ، ج ۵، ص ۲۱۶؛ ابن نجیم، البحر الرائق، ج ۵، ص ۵۴؛ الآبی الازھری، الثمر الدانی، ج ۱، ص ۵۹۹-۶۰۳؛ الدردیر، احمد بن محمد بن احمد، الشرح الکبیر، تحقیق محمد علیش، دار الفکر، بیروت، ج ۴، ص ۳۳۲-۳۴۲

42۔ الشھید الثانی، الروضۃ البھیۃ، ج ۵، ص ۲۴۰؛ العلامۃ الحلی، نجم الدین جعفر بن الحسن الحلی، شرائع الاسلام، مؤسسۃ مطبوعاتی اسماعلیان، قم، ۱۴۰۸ھ، ط ۲، ج ۶، ص ۱۸۰

43- ابوداؤد، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۳۱۲

44۔ سورۃ النور: 3

45- سورۃ طٰہٰ: 39

46- ابن منظور، لسان العرب، ج ۹، ص ۲۷۶

47- سورۃ الحشر: 2

48- سورۃ الأنبیاء: 18

49- الراغب الاصفہانی، المفردات، ص ۳۹۷

50- الشربینی، الاقناع، ج ۲، ص ۵۶۲

51- الحصکفی، الدر المختار، ج ۴، ص ۴۳؛ ابن نجیم، البحر الرائق، ج ۵، ص ۳۰

52- الشھید الاول، شمس الدین محمد بن مکی عاملی، اللمعۃ الدمشقیۃ، چاپخانہ علمیہ، قم، ط ۲، ج ۵، ص ۱۷۲

53- سورۃ النور: 4

54- سورۃ النور: 23

55- الشھید الثانی، الروضۃ البھیۃ، ج ۵، ص ۱۸۷

56- ابن نجیم، البحر الرائق، ج ۵، ص ۳۱

57- الخرشی، محمد بن عبداللہ، شرح مختصر خلیل للخرشی، دار الفکر للطباعۃ، بیروت، ج ۲۳، ص ۲۲۰؛ الشربینی، الاقناع، ج ۲، ص ۵۲۶

58- سورۃ النور: 4

59- الطوسی، المبسوط، ج ۸، ص ۱۳؛ ابن نجیم، البحر الرائق، ج ۵، ص ۳۲، ۳۱؛ الحصکفی، الدر المختار، ج ۵، ص ۴۳

60- احناف کے نزدیک مقذوف کو قذف کرنے والے کو معاف کرنے کا حق نہیں۔ الجزیری، الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، ج ۵، ص ۱۷۲

61- حوالہ ہائے سابق؛ العثیمین، شرح المقنع، ج ۱۴، ص ۲۸۵

62- الشھید الثانی، الروضۃ البھیۃ، ج ۶، ص ۱۳۵

63- مباہلہ کا ترجمہ ابن منظور نے ملاعنہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں؛ بأهل القوم بعضهم بعضا وتباهلوا وابتهلوا تلاعنوا والمباهلة الملاعنة يقال باهلت فلانا اى لاعنة ومعنى المباهلة ان يجمع القوم اذا اختلفوا في شيء فيقولوا لعنة الله على الظالم منها.
ابن منظور، لسان العرب، ج۱۱، ص۷۲

64- سورۃ النور: 10-6

65- ابن المنذر، الاجماع، ص ۱۰۲، السمر قندی، الفقہ النافع، ص۱۸۸؛ الشھید الثانی، الروضۃ البھیۃ، ج ۵، ص ۲۰۳؛ ابن نجیم، البحر الرائق، ج۵، ص۲۷

66- النووی، ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف، المجموع، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۷م، ج۲۰، ص۱۱۹۹

67- ابن منظور، لسان العرب، ج۱، ص ۳۰۴

68- سورۃ المائدۃ: 33

69- السمر قندی، الفقہ النافع، ص ۱۹۶، ۱۹۷؛ الطوسی، المبسوط، ج۸، ص ۴۷، الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۹۷؛ القرافی، شھاب الدین احمد ابن ادریس، الذخیرۃ، دار الغرب، بیروت، ۱۹۹۴م، ج۱۲، ص ۱۲۳

70- سورۃ المائدۃ: 33

71- الکلینی، اصول الکافی، ج۷، ص۲۴۶

72- صحیح البخاری، حدیث ۶۸۰۴

73- ابن المنذر، الاجماع، ص ۱۰۰

74- السمر قندی، الفقہ النافع، ص۱۹۷؛ القرافی، الذخیرۃ، ج ۱۲، ص ۱۲۴؛ الدردیر، الشرح الکبیر، ج۴، ص ۳۵۰؛ ابن الرشد القرطبیّ، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، انتشارات الشریف الرضی، قم، ۱۹۲۶م، ج ۱، ص ۶۳۷

75- الفراہیدی، کتاب العین، ج۸، ص۷

76- ابن نجیم، البحر الرائق؛ القرافی، الذخیرۃ، ج۱۲، ص ۱۳

77- السمر قندی، الفقہ النافع، ص ۲۱۱، ۲۱۰؛ ابن قدامۃ، الشرح الکبیر، ج ۱۰، ص ۱۰۳، ۱۰۵؛ ابن المنذر، الاجماع، ص ۱۱۱، ۱۱۲

78- سورۃ البقرۃ: 217

79- سورۃ البقرۃ: 256

80- سورۃ النحل: 106

81- ابن بطال، ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک، شرح صحیح البخاری، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۳ھ، ج۷، ص ۲۱۶

82- ابن قدامۃ، الشرح الکبیر، ج ۱۰، ص ۱۳۲

83- صحیح البخاری، حدیث ۳۰۱۷